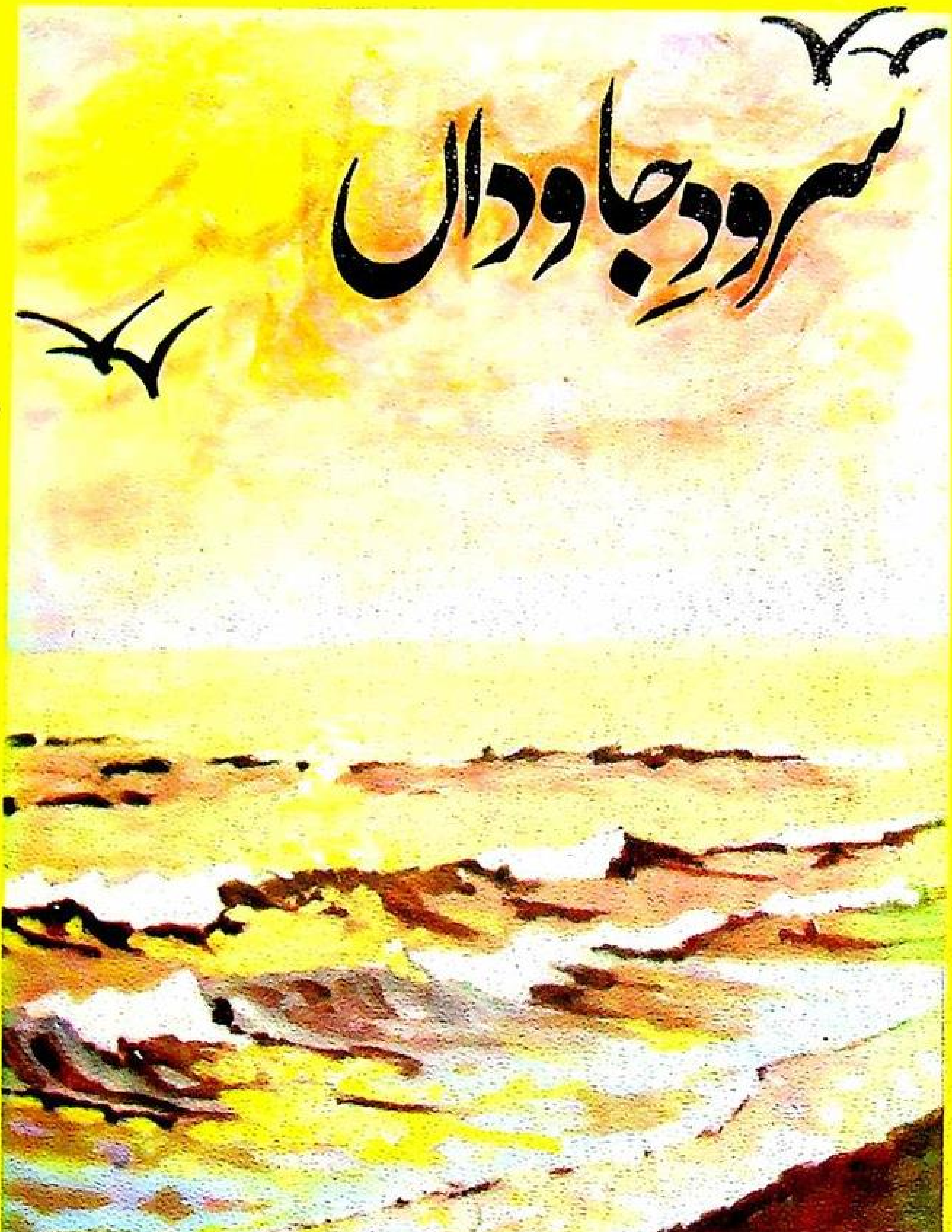
سرودِ جاوداں
لفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر محمود الحسن

لیفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر محمود الحسن صاحب "آتشِ نوبہار" کے بعد اب "سرودِ جاوداں" کے عنوان سے اپنی دوسری شعری سوغات اہلِ نظر کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ان کی کتابوں کے نام کی طرح ان کی شاعری بھی اپنے اندر معنویت، خوبصورتی اور تاثیر کے اعتبار سے آگ اور پھول کا ایک ایسا امتزاج رکھتی ہے جو دلکش بھی ہے اور دلگداز بھی۔ ان کی متاعِ خاص اظہار کا خلوص ہے۔ ان کا شعر ان کے اپنے دل کی دھڑکن ہوتا ہے۔

جنرل محمود الحسن عالمی شہرت کے سرجن ہیں۔ جتنی شفا ان کے نشتر میں ہے اتنی ہی جلا ان کے شعر میں ہے۔ اقبال نے ایسے ہی شعری نشتر کے بارے میں کہا تھا ع

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

اسلام آباد — سید ضمیر جعفری

ڈاکٹر محمود الحسن کی غزل جہاں فنِ شاعری کے تمام تر تقاضے پورے کرتی ہے وہیں حیات و کائنات کے بارے میں اُن کا وسیع تر آفاقی نظریہ بھی سامنے لاتی ہے، وہ بلند ترین انسانی قدروں اور روحانی تجلیوں میں یقین رکھنے والے حقیقت پسند، درویش طبع اور صاحبِ دل انسان ہیں دنیاوی جاہ و جبروت اُن کے نزدیک پرِ کاہ کی وقعت نہیں رکھتا۔ فقر و غیور کی یہ دولت یوں ہی سرِ راہ پڑی ہوئی نہیں ملی، اِس کے پس منظر میں قطرے سے گوہر بننے کی پوری کیفیت شامل ہے۔

سلطان رشک
۲۰ جنوری ۱۹۹۵ء
راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرودِ جاوداں

لیفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر محمود الحسن

نیرنگِ خیال پبلیکیشنز
لیاقت روڈ : راولپنڈی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

بارِ اوّل ۔ جنوری ۱۹۸۵ء

مصنف ـــــــــ لیفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر محمود الحسن
پتہ ـــــــــ ۱۳۵ ۔ ریس کورس روڈ ۔ راولپنڈی
تعداد ـــــــــ ایک ہزار
ناشر ـــــــــ سلطان رشک
کتابت و تزئین ـــــــــ محمد شفیع چیمہ
سرورق ـــــــــ ڈاکٹر تنویر رانا
مطبع ـــــــــ لاثانی پرنٹرز ۔ اصغر مال روڈ ۔ راولپنڈی

Rs 40.00

والدِ گرامی

جناب شیخ محمد سعید کے نام

ترتیب

پیش گفتار (رئیس امروہوی) —— ۹
۱— محمود الحسن صاحب کی شاعری —— ۱۸
۲— ابتدا تیری، انتہا تیری —— ۲۰
۳— ہر ذرّہ خاک کا جو تری رہ گزر میں ہے —— ۲۲
۴— سرمایۂ حیات محبّت ہے آپؐ کی —— ۲۵
۵— یہ خدا کا فضل ہے اور حسن و احسانِ رسولؐ —— ۲۷
۶— صرف الہام صداقت ہے کتابِ زندگی —— ۲۹
۷— رات دن اشکبار ہیں آنکھیں —— ۳۲
۸— حسن کی ضد کا کیا ٹھکانہ ہے —— ۳۵
۹— دل جن کا بیقرار نہیں، آنکھ نم نہیں —— ۳۸
۱۰— اُس در پہ بھلا قصدِ صدا کون کرے گا —— ۴۱
۱۱— اگرچہ شکوہ بلب ہے ہجومِ غمزدگاں —— ۴۴
۱۲— ہے دو قدم پہ ہی منزل اگر ارادہ کریں —— ۴۷
۱۳— مرے حبیبؐ کا عکسِ جمیل ہو جس میں —— ۵۰
۱۴— زندگی بے رنگ تھی، آنکھوں میں بینائی نہ تھی —— ۵۳
۱۵— اس طرح جلوہ فگن وہ رُخِ زیبا ہوگا —— ۵۵
۱۶— درونِ دل بھی پوشیدہ ہے اور رُخ سے عیاں بھی ہے —— ۵۷
۱۷— آنکھیں بہت ہیں دیدہ تر ایک بھی نہیں —— ۵۹
۱۸— ساقیٔ میخانہ تم ہو، رونقِ میخانہ ہم —— ۶۲
۱۹— سیلابِ غم ہے یورشِ حسن و ملال ہے —— ۶۴
۲۰— سوغاتِ فن نہ دانشِ عالم شکار دے —— ۶۶

۲۱ — کس وقت مرے لب پہ ترا نام نہیں ہے — ۷۰
۲۲ — یہ فخر مرے واسطے کچھ کم تو نہیں ہے — ۷۲
۲۳ — ترساں تھا جو دل جراُتِ دیدار سے پہلے — ۷۴
۲۴ — وہ اپنا دامنِ دل داغدار کرتے ہیں — ۷۷
۲۵ — اس حقیقت سے کبھی انکار ہو سکتا نہیں — ۷۹
۲۶ — جانِ بیتاب ہر اک غم کا مداوا چاہیے — ۸۲
۲۷ — دیدۂ تر سے کوئی سیلِ رواں لیکے چلو — ۸۵
۲۸ — قطعات — ۸۷ — ۹۵
۲۹ — اس طرح مے شوق سے مخمور رہے ہم — ۹۶
۳۰ — تو ہے کہ ستم کر کے بھی ناخوش ہی رہا ہے — ۹۷
۳۱ — بہ فیضِ عشق و فورِ الم سے کیا ہوگا — ۹۸
۳۲ — آلامِ روزگار میں شدّت بلا کی ہے — ۱۰۰
۳۳ — موجۂ ابرِ رواں ہیں ہم لوگ — ۱۰۴
۳۴ — اور بھی کچھ ہیں محفلیں، محفلِ یار کے سوا — ۱۰۸
۳۵ — جس میں ہمہ دانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے — ۱۱۱
۳۶ — خوگردۂ دامِ محکومی تسخیر کی باتیں کرتے ہیں — ۱۱۴
۳۷ — دلِ حزیں کی غمِ محترم کی بات کرو — ۱۱۶
۳۸ — ان کے کوچہ میں نہ کیوں جا کے صدا دی جائے — ۱۱۸
۳۹ — جان دینے پر جو آمادہ نہیں — ۱۲۱
۴۰ — صحرا کی ہے تلاش نہ گلزار چاہیئے — ۱۲۳
۴۱ — سکونِ دل کی دنیا رہ گئی زیر و زبر ہو کر — ۱۲۵
۴۲ — کہو یہ اُن سے جو دیتے ہیں اشتہارِ الم — ۱۲۸
۴۳ — جہانِ عشق میں صبر و قرار کیا معنی — ۱۳۱

پیش گفتار

اُردو زبان کی اور اصنافِ سخن کی طرح اُردو غزل بھی فارسی شعر و ادب کا عطیہ ہے لیکن سعدی و حافظ کے بعد فارسی غزل کو کوئی عہد آفریں شخصیت میسر نہیں آئی۔ اور پچھلے سو برس میں فارسی زبان کی غزلیات بتدریج اپنے نقطۂ عروج سے درجۂ انحطاط کی طرف سفر کرتی رہی ہیں لیکن یہ ہماری خوش بختی ہے کہ اُردو غزل کو ہر عہد میں کوئی نہ کوئی مسیحا نصیب ہوتا رہا اور اس طرح ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آج بھی اُردو غزل میں وہی تازگی، وہی برجستگی اور وہی تاثر آفرینی موجود ہے جو آج سے ایک سو سال قبل موجود تھی۔ غزل کو جدید احساسات اور طرزِ فکر کا ترجمان بنانے میں حالیؔ و اقبالؔ نے جو غیر معمولی کردار ادا کیا ہے اس پر بہت کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ فی الحال اس سلسلے میں چند اشارے کافی ہوں گے۔ اُردو کی جن تشبیہات، استعارات اور کنایات کو بعدِ وقت اور پس خوردہ سمجھا جا رہا ہے اور جب کوئی صاحبِ طرز شاعر انہیں استعمال کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خالی لفظوں کے زنگ خوردہ فانوس میں نئی شمعیں روشن ہو گئیں۔ شعر کا کوئی استعارہ، کوئی تشبیہہ اور کوئی کنایہ کبھی فرسودہ نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کا استعمال ذوقِ سلیم کے ساتھ کیا جائے۔ قفس و آشیانہ، بہار و خزاں، شمع و پروانہ وغیرہ اُردو غزل کی مسلّمہ اصطلاحات ہیں۔ لیکن کسی عہد میں کسی شاعر نے ان کو ان کے لغوی مفہوم میں استعمال نہیں کیا۔

بلکہ اپنے جذباتی ہیجان اور محسوسات و رجحان کے مطابق ان تراکیب سے کام لیا ہے۔ بنیادی شرط یہی ہے کہ شاعران اصطلاحات کے ذریعے اپنی کوئی روحانی واردات بیان کرے۔ غزل آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جس طرح ماضی میں تھی اور وہ اس عہد کی قلبی واردات، جذباتی کشاکش اور شدّتِ احساس کی ترجمانی اس وسعت اور بے ساختہ پن سے کر سکتی ہے جس طرح مرزا غالب کے عہد میں کر سکتی تھی۔ اگرچہ غالب کو ظرفِ تنگنائے غزل کا شکوہ تھا اور وہ اپنے بیان کے لئے کچھ اور وسعت چاہتے تھے۔ بایں ہمہ غالب جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ غزل کے پیرائے میں کہہ دیا۔ مناسب یہ ہے کہ ہم اس مقام نظر سے اپنے عزیز دوست (لیفٹیننٹ جنرل) محمود الحسن کے مجموعۂ غزل (سُرودِ جاوداں) پر نظر ڈالیں۔ سب سے پہلے ہمیں یہ یقین کرنا چاہیئے کہ شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے، اس کے قلب پر جو کیفیت گزر رہی ہے وہ روحانی تجربے کی جس منزل سے دوچار ہے اس کے اظہار و ابلاغ میں وہ کس حد تک کامیاب رہا ہے۔ شاعری درحقیقت الفاظ کی تخلیقِ نو کا نام ہے۔ ہر لفظ کی متعدد جہتیں اور تہیں ہوتی ہیں۔ لفظ کا بے پروایانہ استعمال اس جذبے کی شدّت کو دھیما کر دیتا ہے جس کے ابلاغ و ترسیل کے لئے اس کا انتخاب کیا گیا ہے۔ لفظ کا فنکارانہ استعمال شاعر کی قدرتِ بیان کی دلیل ہے۔ محمود الحسن کے کلام کا آپ کہیں سے مطالعہ کریں بیک نظر یہ محسوس کرلیں گے کہ ان کے مصرعوں میں ایک بے ساختہ اور بے تکان روانی پائی جاتی ہے اور ان کا جوئبارِ شعر اس سبک خرامی سے رواں رہتا ہے کہ شعر پڑھ کر قلب کو عجب قسم کی لذّت کا احساس ہوتا ہے نہ اجنبی اور غریب الفاظ کا استعمال ہے نہ تعقید ہے نہ بیان میں ژولیدگی ہے نہ مصرعوں میں شکستِ تکلّم کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ان کی زبان اس قدر شفاف اور ان کا بیان اتنا صاف اور بے لاگ ہے کہ بعض بعض مصرعے پڑھتے ہی زبان پر رواں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح شعر میں سہلِ ممتنع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یعنی بظاہر کلام سادہ اور سہل نظر آئے لیکن کہتے وقت اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سہل کس قدر مشکل اور یہ سادگی کتنی دِقّت طلب ہے۔ اندازِ بیاں یعنی لفظی ساخت و پرداخت اور دروبست پر نظر ڈالنے کے بعد مضامین و معانی کی طرف نگاہ جاتی ہے یعنی شاعر کا مجموعی طرزِ احساس کیا ہے، اس کے جذبات کس نوعیت کے ہیں اور اس کی طبیعت کس قسم کے مضامین سے طبعی مطابقت رکھتی ہے۔

سرودِ جاوداں کا آغاز نعت سے ہوتا ہے :-

ہر ذرہ خاک کا جو تری رہگزر میں ہے
وہ رشکِ آفتاب ہماری نظر میں ہے
کھلتے ہیں جس کلید سے درِ آسمان کے
ہاں وہ کلید طاعتِ خیر البشرؐ میں ہے
وہ نور جس سے سارا جہاں جگمگا اُٹھا
میں اتنا جانتا ہوں لباسِ بشر میں ہے

صرف انہی تین شعروں سے شاعر کے اندازِ کلام اور طرزِ بیان کا تعین ہو جاتا ہے یعنی نرم زبان، شیریں لہجہ اور کہنے میں بے ساختہ پن محمود الحسن کا دل سوز و گداز سے لبریز ہے۔ سوز و گداز کوئی ایسی چیز نہیں جسے آنکھوں سے دیکھنے ہاتھوں سے چھونے اور زبان سے چکھنے کی ضرورت ہو۔ یہ ایک ایسا شعلہ ہے جس کی آنچ دور سے محسوس ہوتی ہے۔ ان کے اشعارِ نعت میں کہیں تکلف و تصنع اور آورد نہیں پائی جاتی۔

سرمایۂ حیات محبت ہے آپؐ کی
ہر لمحۂ زندگی کا امانت ہے آپؐ کی
اُن پر نثار سطوتِ شاہانِ روزگار
جن بے کسوں پہ چشمِ عنایت ہے آپؐ کی

میں نے محمود صاحب کے مطالعۂ کلام سے بار بار محسوس کیا ہے کہ وہ دلِ گداختہ اور قلبِ دردمند کے مالک ہیں اور سرورِ کائناتؐ کے بارے میں ان کا جذبۂ عقیدت اس قدر گہرا ہے کہ اس کی وضاحت ممکن نہیں صرف ان کے کلام کا مطالعہ کافی ہے۔

میری جاں وارفتۂ عشقِ محمدؐ مصطفےٰ
میرا دل پروانۂ شمعِ شبستانِ رسولؐ

اِک سُرودِ رُوح پرور نغمۂ حبِّ رسولؐ

اِک سرودِ جاوداں جامِ شرابِ زندگی

نعت کی حدود سے ادب کے ساتھ گزر کر ہم تغزل کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا تھا کہ محمود الحسن صاحب کے کلام کی نمایاں خصوصیت مرصّع سادگی اور دل آویز برجستگی ہے۔ اتنے صاف مصرعے نکلتے ہیں کہ سبحان اللہ۔

خوب آرام سے گزرتی ہے

نہ چمن ہے نہ آشیانہ ہے

کس محبّت کی بات کرتے ہو

اب تو بدلا ہُوا زمانہ ہے

اب کیوں ہمارے حال پہ لُطف و کرم نہیں

پہلے سے تم نہیں ہو کہ پہلے سے ہم نہیں

دیکھے ہیں ہم نے راہِ محبّت میں جس قدر

اتنے تو تیری زلف میں بھی پیچ و خم نہیں

شاعر نے غزل کے لئے زمینیں اور بحریں بڑی موسیقی آمیز اور مترنم انتخاب کی ہیں۔

آئینِ وفا تم نے مرتب تو کیا ہے

پابندیٔ آئینِ وفا کون کرے گا

ظاہر ہے کہ سب ہم کو خطاوار کہیں گے

سچ کہہ کے بھلا اُن کو خفا کون کرے گا

شاعر نے اپنے زخم خوردہ احساس کا بیان اس خلوص سے کیا ہے کہ ان اشعار کو پڑھ کر بے اختیار دل بھر آتا ہے۔

سمیٹنے ہیں الم کے ہزار ہا کانٹے

ہم اپنا دامنِ دل اور بھی کشادہ کریں

چھپائیں ہم بھی عیوب برہنگی لیکن
ہے شرط زیبِ بدن مکر کا لبادہ کریں

مرے حبیبؐ کا عکسِ جمیل ہو جس میں
ترے صدف کا گہر ہو اگر تو ایسا ہو

جلا کے خاک جو کر دے ہر ایک نقشِ دوئی
ترے نفس میں کوئی ہو شرر تو ایسا ہو

ان اشعار کی بندش اس قدر مضبوط اور ردیف اور قافیہ کی ہم آہنگی اس قدر عجیب ہے کہ انہیں دہرا کر لذت کا احساس ہوتا ہے۔

دلِ حزیں کی طرح غمگسار دنیا میں
نہ ہو تو کوئی نہ ہو، ہو اگر تو ایسا ہو

حسنِ بیان (جس کی تعریف مشکل ہے سمجھنا آسان ہے) ایک خداداد صلاحیت ہے۔ سعی و کوشش سے یہ چیز پیدا نہیں ہوتی۔ محمود الحسن کے اشعار اس قدرتی حسن کی مثال پیش کرتے ہیں۔

آپ کیا آئے کہ کلیاں تک شگفتہ ہو گئیں
آپ سے پہلے تو پھولوں میں یہ رعنائی نہ تھی

کب نہ تھے ہم گوش بر آواز تیری بزم میں
بات وہ ہم نے سنی جو تو نے فرمائی نہ تھی

بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محمود الحسن کا پورا کلام ہی نعت میں ہے یعنی تغزل کی تہ میں عشقِ حبیبؐ کی ایک خوبصورت لہر رواں دواں ہے۔

اِس طرح جلوہ فگن وہ رُخِ زیبا ہو گا
نور برسے گا ہر اک سمت اُجالا ہو گا

اُن پہ خورشیدِ قیامت کا اثر کیا ہوگا
جن کے سر پر مرے محبوب کا سایہ ہوگا

وہ فقط روایتی عشق اور تقلیدی جنون کے قائل نہیں ان کا حسن و عشق اس سطح سے بلند ہے عصرِ حاضر کی روحانی طلب و رفتگی کا اندازہ ان کے اشعار سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

نہ جانے کس لئے پہنچے نہیں تم اپنی منزل تک
ہے میر کارواں بھی راہ بھی ہے کارواں بھی ہے
عدو کی دشمنی تو خیر سنتے آئے ہیں لیکن
تعجب ہے کہ خود برہم مزاج دوستاں بھی ہے

ایک حساس قلب کی طرح ان کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور وہ تعجب سے کہتے ہیں کہ

تیرے سمندروں میں صدف بیشمار ہیں
یہ بات کیا کہ اُن میں گہر ایک بھی نہیں
منزل کے خواب دیکھ رہا ہے ہر ایک شخص
پختہ ہو جس کا عزمِ سفر ایک بھی نہیں

لُطف یہ ہے کہ زیرِ نظر کلام سرشاری اور کیف آفرینی سے بھی خالی نہیں جو شعر کی ایک نادر خوبی ہے۔

ساقیٔ میخانہ تم ہو رونقِ مے خانہ ہم
گردشِ پیمانہ تم ہو نعرۂ مستانہ ہم
ناز ہے ہم کو کہیں خاکِ درِ جانانہ ہم
تم ہو شمعِ انجمن خاکسترِ پروانہ ہم

شاعر کا دلِ درد آفریں تمام سوز و کرب کے باوجود اپنے حال پر قانع ہے۔

سیلاب غم ہے یورشِ حزن و ملال ہے
دل پھر بھی مطمئن ہے یہ اس کا کمال ہے
مانا وفورِ غم سے بہت خستہ حال ہے
لیکن خدا گواہ طبیعت نہال ہے

دُنیاوی اعزاز و مراتب کے باوجود محمود الحسن نے درویشانہ اندازِ نظر پایا ہے۔ یہ چیز بہت کم شعرا میں پائی جاتی ہے۔ ہماری شاعری کی روایت یہ ہے کہ آسمان کو اہلِ کمال کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ حد ہے کہ مرزا غالبؔ تک کو زندگی بھر شکوہ رہا کہ۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہُوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

لیکن محمود صاحب رضائے دوست پر قناعت کر کے بیٹھ گئے ہیں محبوب سے ان کی درخواست یہ ہے کہ

آتی نہیں ہیں راس مجھے کج کلاہیاں
طبعِ قلندری و دلِ خاکسار دے

وہ برملا طلب کرتے ہیں کہ۔

سوغاتِ فن نہ دانشِ عالم شکار دے
یارب مجھے جنوں کی خلشِ پائیدار دے

بے شک صرف طبعِ قلندری اور دلِ خاکسار ہی اس قسم کی آرزو کر سکتا ہے۔

شاعر کے کلام کی اساسی خصوصیات کو سمجھنے کے لئے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔ اِن اشعار میں بندش کی مضبوطی دردمندی اور پُرسوز شعریت، مصرعوں کی روانی، الفاظ کا انتخاب اور لطیف ترین تغزّل کی کیفیت دیدنی ہے:۔

کس وقت مرے لب پہ ترا نام نہیں ہے
اب اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے
یہ فخر مرے واسطے کچھ کم تو نہیں ہے
کمتر ہی سہی عشق میں سر خم تو نہیں ہے
کچھ اور بھی ہو گا غمِ دوراں کا مداوا
اے دوست فقط گریۂ پیہم تو نہیں ہے
سمجھیں گے غمِ عشق کو کیا شیخ و برہمن
وہ کھیل تو لیں سبحہ و زنار سے پہلے
تمہارے گیسو و عارض کو دیکھ کر ہم لوگ
علاجِ گردشِ لیل و نہار کرتے ہیں
خدا گواہ کہ ہوتے ہیں ہم سے دیوانے
وہ جن پہ سترِ نہاں آشکار کرتے ہیں

شاعرانہ سرمستی و سرشاری کے باوجود محمود الحسن کے نفس میں مردِ مومن کے افکار و احساسات کی تجلیات تاباں و درخشاں ہیں۔ ان کا کلام رندی و مستی کی سطح سے بلند تر ہے اور یہی چیز اس مجموعے کو دوسرے شعراء کے کلام سے ممیز کرتی ہے۔

اس حقیقت سے کبھی انکار ہو سکتا نہیں
بندۂ مومن ذلیل و خوار ہو سکتا نہیں
یہ نہیں ممکن کہ وہ اک مردِ مومن کی ہو آنکھ
چاک جس سے پردۂ اسرار ہو سکتا نہیں
جس کے چہرہ پر نہ ہو سایہ فگن عکسِ رسولؐ
دوستو وہ مطلعِ انوار ہو سکتا نہیں

"سرودِ جاوداں" ایک ایسا مجموعۂ غزل ہے جس میں تغزل کا لطف، تفکر کی کیفیت اور تخیل کی جلالت بیک وقت پائی جاتی ہے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ خوب صورت مجموعہ لطیف شاعرانہ ذوق رکھنے والے حلقوں میں اعتبار اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

رئیس امروہوی

۴ محرم الحرام ۱۴۰۵ ہجری

۳۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء

لغتِ عرب کے نزدیک شعر علم کی وہ قسم ہے جس کے
ذریعہ دقائق اُمور معلوم ہو سکیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حواس
کے ذریعہ سے کسی امر کو معلوم کر لینا شعر کہلاتا ہے۔ گویا شعر
کا منبع شعور ہے۔ شعور اور علم میں یہ فرق ہے کہ شعور کا تعلق
ایک حسِ باطنی سے ہے جو بلا سامانِ ظاہری بھی اپنا کام
کرتی ہے لیکن علم بیرونی چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔
ممکن ہے علم کا اثر قلب پر نہ ہو لیکن شعور کا ضرور ہوتا ہے
اسی لئے شاعر کو تلمیذ الرحمٰن بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ شاعری
کسی مکتب سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ یہ ملکہ شاعر کو
خدائے رحمٰن سے عطا ہوتا ہے۔ جہاں رحیمیت سعی و عمل
کی جزا مہیا کرتی ہے وہاں رحمانیت بغیر کسی عمل کے
بن مانگے عطا کرتی ہے اور شاعری بھی شاعر کو
بے طلب ملتی ہے۔

محمود الحسن بھی تلامیذ الرحمٰن کے طبقہ سے تعلق رکھتے
ہیں علم ان کا طب اور جراحت ہے جو انسانی جسم سے
متعلق ہے اور جسے انہوں نے مکتب سے حاصل کیا۔
لیکن شعر ان کا انسان کے احساس اور اُس کی رُوح پر اثر انداز

ہوتا ہے اور یہ خدا نے رحمٰن کی بخشش ہے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر انہوں نے دونوں میں کمال حاصل کر لیا۔ اُن کی سرجری بھی فن ہے اور شاعری بھی فن۔ ایک کسبی دوسرا وہبی۔ ایک اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کا مظہر دوسرا صفتِ رحمانیت کا۔ جہاں ان کے نشتر کی چال انتہائی خوبصورتی سے جسم کے آزار کو جسم سے الگ کر کے اُسے آسودگی مہیا کرتی ہے وہاں اُن کے شعر کی روانی اور جاذبیت حق شناسی اور صداقتِ بیان کے ساتھ مل کر بیمار اور درماندہ رُوح کو تازگی عطا کرتی ہے۔ بادہ و ساغر کہے بغیر مشاہدۂ حق کی گفتگو سادگی اور سلاست سے کر جاتے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

عبدالمنان ناہید

اِبتدا تیری، اِنتہا تیری
زندگی جادۂ فنا میری
اِک ترے "کُن" سے کارفرما ہُوں
ورنہ مَیں جانتا ہُوں مَیں کیا ہُوں
تُو نے چاہا تو ہو گیا میرا
یہ زمیں تیری، آسماں تیرا

مرکزِ حُسنِ کائنات بھی تُو
خالقِ دورِ حادثات بھی تُو
مالکِ مُلکِ اِنس وجاں تُو ہے
حکمرانوں پہ حُکمراں تُو ہے
تیرا دریائے بیکراں، قُرآں
ختم اُس پر کمالِ حُسنِ بیاں
بے خبر ہُوں، میں کیا کرُوں گا رقم
علم تیرا، ترے ہیں لوح وقلم
بے نیازِ جہانِ نام و نمُود
تیرے دَر کا فقیر ہے محمود

ہر ذرّہ خاک کا جو تری رہ گزُر میں ہے
وہ رشکِ آفتاب ہماری نظر میں ہے
جلوے ہیں تیرے عارض و گیسو کے ہر طرف
کیا اَور کچھ بھی گردشِ شام و سحر میں ہَے

کھلتے ہیں جس کلید سے در آسمان کے
ہاں وہ کلید طاعتِ خیر البشرؐ میں ہے
باغِ ارم ہو چشمۂ حیواں کہ سلسبیل
جو کچھ بھی ہے حضورؐ تمہارے نگر میں ہے
کرتے ہیں آپؐ ہی سے تو وہ اکتسابِ نور
کیا اور حسن جلوۂ شمس و قمر میں ہے
ہوتی ہیں نورِ حق کی جہاں پر نمائشیں
لاریب وہ مقام تری رہ گزر میں ہے

پڑ جائے جس پہ اُس پہ فرشتے نثار ہوں
یہ کیا طلسمِ خاص تمہاری نظر میں ہے
سچ تو یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے کہیں نہ تھا
یہ بانکپن جو عالمِ شام و سحر میں ہے
وہ نور جس سے سارا جہاں جگمگا اُٹھا
مَیں اتنا جانتا ہُوں لباسِ بشر میں ہے

سرمایۂ حیات محبّت ہے آپؐ کی
ہر لمحہ زندگی کا امانت ہے آپؐ کی
اُن پر نثار سطوتِ شاہانِ روزگار
جن بیکسوں پہ چشمِ عنایت ہے آپؐ کی

جس کی نہیں مثال وہ ہے آپؐ ہی کا حسن
جس کا نہیں جواب وہ صورت ہے آپؐ کی

میری زباں پہ اب ہے فقط آپؐ ہی کا ذکر
اور میرے دِل پہ صرف حکومت ہے آپؐ کی

بڑھتے ہی جارہے ہیں الم ہائے روزگار
ہم پھر بھی جی رہے ہیں عنایت ہے آپؐ کی

یہ خدا کا فضل ہے اور حسن و احسانِ رسولؐ
میرا دستِ نارسا ہے اور دامانِ رسولؐ
برتر از وہم و گماں ہے شوکت و شانِ رسولؐ
قیصر و کسریٰ غلامانِ غلامانِ رسولؐ

مال و دولت چیز کیا ہے جان و دل اُن پر نثار
مَیں تو ہُوں حلقہ بگوشِ جاں نثارانِ رسُولؐ

اُن کو خورشیدِ قیامت سے نہیں خوف و خطر
دوستو سایہ فگن ہے جن پہ دامانِ رسُولؐ

میری جاں وارفتۂ عشقِ محمدؐ مصطفےٰ
میرا دل پروانۂ شمعِ شبستانِ رسُولؐ

صرفِ الہامِ صداقت ہے کتابِ زندگی
تو مگر سمجھا نہیں تعبیرِ خوابِ زندگی
پیکرِ خاکی میں ہو رُوحِ رواں عشقِ رسُولؐ
در حقیقت ہے یہی لُبِ لُبابِ زندگی

ہر کرن ہو حامِل نورِ محمدؐ مصطفےٰ
اِس طرح اُبھرے اُفق سے آفتابِ زندگی

نغمۂ عشقِ محمدؐ سے فضا لبریز ہو
چھیڑ دے کوئی اگر تارِ ربابِ زندگی

کاش وہ پائے تجھے دیوانۂ عشقِ رسولؐ
روزِ محشر جب کوئی مانگے حسابِ زندگی

بارشِ خونِ جگر ہو دیدۂ نمناک سے
جھوم کر اُٹھے اگر دل سے حبابِ زندگی
ایک بحرِ بیکراں عشقِ رسولؐ اللہ کا
کاش تجھ میں موجزن ہو اے حبابِ زندگی
اِک سرورِ رُوح پرور نشۂ حُبِّ رسولؐ
اِک سرودِ جاوداں جامِ شرابِ زندگی

رات دن اشکبار ہیں آنکھیں
کیا کوئی آبشار ہیں آنکھیں
دل کی صورت بھی دیکھ لو اِن میں
دل کی آئینہ دار ہیں آنکھیں

لالہ و گل ہیں آنکھ کے دھوکے
روزنِ نوبہار ہیں آنکھیں

اُن کے ہوتے حسین لگتی ہیں
ورنہ گرد و غُبار ہیں آنکھیں

وہ ہیں آنکھوں کے سامنے پھر بھی
جانے کیوں بیقرار ہیں آنکھیں

یہ تو تھیں مائلِ ستم کل تک
آج کیوں شرمسار ہیں آنکھیں

آپ کو بھی خیال آتا ہے؟
آپ سے ہمکنار ہیں آنکھیں

چشمِ بینا نہیں ہے، ویسے تو
ہر جگہ بے شمار ہیں آنکھیں

حُسن کی ضد کا کیا ٹھکانہ ہے

عشق ہر رنگ میں یگانہ ہے

خُوب آرام سے گزُرتی ہے

نہ چمن ہے نہ آشیانہ ہے

اُن کو شاید منا کے لے آئے
دل مجھے چھوڑ کر روانہ ہے
ڈھونڈتے ہو سکون دُنیا میں!
ہائے کیا سہوِ عارفانہ ہے
کِس محبّت کی بات کرتے ہو
اب تو بدلا ہُوا زمانہ ہے
اُن کی آنکھوں میں اور کیا ہو گا
اہتمامِ شراب خانہ ہے

زندگی کیا اِسی کو کہتے ھیں
یہ جو اِک دُکھ بھرا فسانہ ہے
شیخ تیرے خدُا سے میرا بھی
رسم و آداب غائبانہ ہے
آنکھ محمود کیا تھمے گی اب
اِس سمندر میں ڈُوب جانا ہے

دِل جن کا بیقرار نہیں آنکھ نم نہیں
وہ اَور لوگ ہوں گے یقیناً وہ ہم نہیں

اب کیوں ہمارے حال پہ لُطف و کرم نہیں
پہلے سے تم نہیں ہو کہ پہلے سے ہم نہیں

اب کوئی اضطراب نہیں، کوئی غم نہیں
دل مُبتلائے کشمکشِ بیش و کم نہیں

وہ دل نہیں جو سوزِ محبت سے فیضیاب
کچھ بھی ہو سنگ و خشت سے ہرگز وہ کم نہیں

دیکھے ہیں ہم نے راہِ محبت میں جس قدر
اتنے تو تیری زُلف میں بھی پیچ و خم نہیں

دُنیا ہمارے درپئے آزار ہے تو ہو
تم ہو ہمارے ساتھ تو پھر کوئی غم نہیں

کیا پوُچھتے ہو حال دلِ بے قرار کا
اتنا ہے درد آج کہ بس آج ہم نہیں

ممکن نہیں کہ منزلِ مقصود پا سکیں
وہ جن کے راہبر ترے نقشِ قدم نہیں

اُس دَر پہ بھلا قصدِ صدا کون کرے گا
جو بات ہے دل میں وہ ادا کون کرے گا
آئینِ وفا تم نے مُرتّب تو کیا ہے
پابندیٔ آئینِ وفا کون کرے گا

کچھ لوگ تری بزم میں ہمدرد تو ہوں گے
دیکھیں تو فقیروں کا بھلا کون کرے گا

وعدے تو محبت کے بہت تم نے کئے ہیں
یہ بھی کبھی سوچا ہے وفا کون کرے گا

ظاہر ہے کہ سب ہم کو خطاوار کہیں گے
سچ کہہ کے بھلا اُن کو خفا کون کرے گا

اَب کوئی نہیں عشق کے مفہوم سے واقف

کوچہ میں ترے حشر بپا کون کرے گا

مانوس نہیں لوگ رہ و رسمِ جنوں سے

اَب تم ہی کہو چاک قبا کون کرے گا

محمودؔ عطا کر کے مجھے دردِ محبت

کہتے ہیں کہ اِس دُکھ کی دوا کون کرے گا

اگرچہ شکوہ بلب ہے ہجومِ غمزدگاں

دبی دبی سی ہے لیکن صدائے مہجوراں

عطائے دوست کا در بند یا کشادہ ہے

یہ اُن سے پوچھ کہ جو لوگ ہیں تہی داماں

یہاں تک اہلِ خرد کی اُڑان کیا ہوگی
کہ دستِ اہلِ جنوں میں ہے دامنِ یزداں
علاجِ تیرگیٔ شوق اِن سے کیا ہوگا
ہزار مہر منوّر ہو یا مہِ تاباں
نہ دُختِ رز کی خبر ہے نہ ہوش رندوں کا
پھنسا ہُوا ہے یہ کن مخمصوں میں پیرِ مُغاں
قریب تر ہے رگِ جاں سے تُو مگر ہم لوگ
اِک عُمر سے ہیں تری جستجو میں سرگرداں

تم آ گئے تو یہ کیا ہو گیا زمانہ کو
نہ اژدہام مصائب نہ یورشِ حرماں

ترے بغیر ہیں سب ہیچ اے شہِ کونینؐ
یہ سلسبیل، یہ کوثر، یہ چشمۂ حیواں

متاعِ زیست یہی، باعثِ نجات یہی
ترا خیال، تری آرزو، ترا ارماں

تری نگاہِ کرم، میرے زخم کا مرہم
ترا ہی اسمِ گرامی ہے درد کا درماں

ہے دو قدم پہ ہی منزل اگر ارادہ کریں
مگر وہ لوگ کہاں ہیں جو فکرِ جادہ کریں
سمیٹنے ہیں الم کے ہزار ہا کانٹے
ہم اپنا دامنِ دل اور بھی کشادہ کریں

ہمارا دل تو ہے مانوس لذتِ غم سے
ستمگروں سے یہ کہہ دو ستم زیادہ کریں

جنابِ شیخ سے ہو فیض یہ نہیں اُمید
یہ کیا بُرا ہے کہ رندوں سے استفادہ کریں

وہ جُرم جس پہ سزاوارِ دار ہم ٹھہرے
جو ہو سکے تو اُسی جُرم کا اعادہ کریں

چھپائیں ہم بھی عیوبِ برہنگی لیکن
ہے شرط زیبِ بدن مکر کا لبادہ کریں

زمانہ چرب زبانی سے کام لیتا ہے
بیاں حکایتِ دل ہم بہ حرفِ سادہ کریں
ہزار گوہرِ نایاب پا تو سکتے ہیں
سمندروں کے سفر کا اگر ارادہ کریں
یہ کیا کہ سارے زمانے کی خاک چھانی ہے
کبھی تو آپ سے ملنے کا بھی ارادہ کریں
تمام عمر مصائب میں کٹ گئی محمودؔ
جو رہ گئی ہے اسے کیوں نہ صرفِ بادہ کریں

مرے حبیبؐ کا عکسِ جمیل ہو جس میں
ترے صدف کا گہر ہو اگر تو ایسا ہو
جو دردِ ہجر کے کانٹے نکال دے دل سے
جہانِ عشق میں ہو چارہ گر تو ایسا ہو

فرشتے جس کی بلندی پہ ناز کرتے ہوں
زہے نصیب بشر ہو اگر تو ایسا ہو
جو مثلِ مہر چمک کر زمانہ چمکا دے
چراغ ہو جو سرِ رہگزر تو ایسا ہو
جلا کے خاک جو کر دے ہر ایک نقشِ دُوئی
ترے نفس میں کوئی ہو شرر تو ایسا ہو
جو عاجزی میں فقیروں کو مات کر ڈالے
ترے جہاں میں کوئی تاجور تو ایسا ہو

مرے جنوں پہ نہ پتھر جہاں سے برسے گا

درونِ شہرِ خرد ایک گھر تو ایسا ہو

رہے نہ خوف نشیب و فراز کا جس سے

ملے سفر میں کوئی ہم سفر تو ایسا ہو

دلِ حزیں کی طرح غمگسار دُنیا میں

نہ ہو تو کوئی نہ ہو، ہو اگر تو ایسا ہو

مہ و نجوم سے آگے مقام ہو جس کا

رہِ جنوں میں ملے راہبر تو ایسا ہو

زندگی بے رنگ تھی آنکھوں میں بینائی نہ تھی
دل کی جب تک لذتِ غم سے شناسائی نہ تھی

ہم نہ سمجھے تھے کہ آزادی کا ہے مفہوم کیا
عشق نے جب تک ہمیں زنجیر پہنائی نہ تھی

کس طرح ہم فائزِ مقصود ہوتے دہر میں
شوقِ منزل کا تھا تابِ جادہ پیمائی نہ تھی

آپ کیا آئے کہ کلیاں تک شگفتہ ہوگئیں
آپ سے پہلے تو پھولوں میں یہ رعنائی نہ تھی

کب نہ تھا تیرا تصور دیدۂ نمناک میں
کب ترے غم سے طبیعت ہم نے بہلائی نہ تھی

کب طلوعِ صبح کا باعث نہ تھا تیرا جمال
یاد تیری کب انیسِ شامِ تنہائی نہ تھی

کب نہ تھے ہم گوش بر آواز تیری بزم میں
بات وہ ہم نے سُنی جو تُو نے فرمائی نہ تھی

اس طرح جلوہ فگن وہ رُخِ زیبا ہو گا
نور برسے گا ہر اک سمت اُجالا ہو گا
اُن پہ خورشیدِ قیامت کا اثر کیا ہو گا
جن کے سر پر مرے محبوب کا سایہ ہو گا
اُس کی آنکھوں میں بھلا شمس و قمر کیا ہوں گے
جس نے اُس روئے پُر انوار کو دیکھا ہو گا

آپ کیا پُوچھتے ہیں عاشقِ بیمار کا حال
وہ نہ اچھّا تھا نہ اچھّا ہے نہ اچھّا ہو گا

کیا نہیں جانتے یہ مجھ کو رُلانے والے
میرا ہر اشک سمیٹے ہوئے دریا ہو گا

تم مسیحا ہو تمہیں لوگ کہیں گے کیا کیا
مَیں تو مر جاؤں گا میرے لئے اچھّا ہو گا

جا بجا ڈھونڈے گی خود منزلِ مقصود اُنہیں
رہنما جن کا ترا نقشِ کفِ پا ہو گا

درونِ دل بھی پوشیدہ ہے اور رُخ سے عیاں بھی ہے
ہمارے عشق کا چرچا یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے

نہ جانے کس لئے پہنچے نہیں ہیں اپنی منزل تک
ہے میرِ کارواں بھی، راہ بھی ہے کارواں بھی ہے

ہے ہر اک ذرّۂ خاکِ شہیدانِ وفا شاھد
کہ اُن کی خاک میں مُضمر حیاتِ جاوداں بھی ہے
عدُو کی دُشمنی تو خیر سُنتے آئے ہیں لیکن
تعجب ہے کہ خود برہم مزاجِ دوستاں بھی ہے
کہاں تک کارواں میں ہے شکیبِ جادہ پیمائی
یہی محمود میرِ کارواں کا اِمتحاں بھی ہے

آنکھیں بہت ہیں دیدۂ تر ایک بھی نہیں
ناظر ہزار، اہلِ نظر ایک بھی نہیں
نقش و نگارِ دہر میں گم ہو گئے ہیں سب
جس کی ہو مہر و مہ پہ نظر ایک بھی نہیں

راہِ وفا دراز ہے اور ہے بلا کی دُھوپ
رستے میں سایہ دار شجر ایک بھی نہیں
منزل کے خواب دیکھ رہا ہے ہر ایک شخص
پختہ ہو جس کا عزمِ سفر ایک بھی نہیں
تیرے سمندروں میں صدف بے شمار ہیں
یہ بات کیا کہ ان میں گہر ایک بھی نہیں

ہر سمت ڈھیر ہیں خس و خاشاک کے مگر
اُن سے نپٹ سکے جو شرر ایک بھی نہیں

لاریب ہر مرض کے ہزاروں علاج ہیں
لیکن دوائے دردِ جگر ایک بھی نہیں

دُنیا میں اَن گنت ہیں غلامانِ اہلِ زر
حلقہ بگوشِ اہلِ ہُنر ایک بھی نہیں

ساقیٔ میخانہ تم ہو، رونقِ میخانہ ہم
گردشِ پیمانہ تم ہو نعرۂ مستانہ ہم

ناز ہے ہم کو کہ ہیں خاکِ درِ جانانہ ہم
تم ہو شمعِ انجمن، خاکسترِ پروانہ ہم

لُٹ گئی ہے دشتِ غربت میں متاعِ زندگی
بے سر و ساماں ہیں اب اے منزلِ جانانہ ہم

دل مثالِ آئینہ ہے لیکن اس کے باوجود
پتھروں سے جا کے ٹکراتے ہیں بے باکانہ ہم

علم سے پہلو تہی رُوئے حقیقت سے گریز
ڈھونڈ لیتے ہیں کئی راہیں نئی روزانہ ہم

اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا حوادث کا علاج
اُن کے دامن سے لپٹ جاتے ہیں بیتابانہ ہم

کھو گئے ہیں اپنے من کی وسعتوں میں بارہا
صورتِ مجنوں ہوئے منت کشِ صحرانہ ہم

سیلابِ غم ہے، یورشِ حزن و ملال ہے
دل پھر بھی مطمئن ہے یہ دل کا کمال ہے
مانا وفورِ غم سے بہت خستہ حال ہے
لیکن خدا گواہ طبیعت نہال ہے

پیشِ نگاہ آپ کا حُسن و جمال ہے
یہ گوشۂ اِرم ہے کہ بزمِ خیال ہے

کہتے ہیں آپ ہیں رگِ جاں سے قریب تر
کیسے کہوں کہ آپ کا ملنا محال ہے

غمہائے روزگار کا کرلیں گے ہم علاج
تم سے تو اِک نگاہِ کرم کا سوال ہے

مر کر رہِ وفا میں جو مِلتی ہے زندگی
وہ زندگی خُدا کی قسم لازوال ہے

سوغاتِ فن نہ دانشِ عالم شکار دے

یارب مجھے جنوں کی خلش پائیدار دے

آتی نہیں ہیں راس مجھے کج کلاہیاں

طبعِ قلندری و دلِ خاکسار دے

تیری یہی رضا ہے تو سب کچھ مجھے قبول
غم ہی سہی نہیں یہ مجھے ناگوار دے

اس طرح تیرا روئے منوّر ہو جلوہ ریز
قلبِ حزیں میں نور کے دریا اُتار دے

میری نظر میں ہے وہی فرماں روائے دہر
جو زندگی بھی راہِ محبّت میں ہار دے

اہلِ ہوس کا میں بھی تو انجام دیکھ لوں
مہلت تو اتنی گردشِ لیل و نہار دے

وہ آنکھ چھین لے جو حقیقت نگر نہ ہو
ہو جس نظر پہ سرِّ نہاں آشکار دے

دُنیا ہو جس کے نُور کی کرنوں سے فیضیاب
اے ربِّ کائنات وہ سُورج اُبھار دے

کب سے مرا نہالِ تمنّا ہے بے ثمر
اے رحمتِ تمام نویدِ بہار دے

مومن جسے سمجھتا ہے یکسر متاعِ زیست
وہ رُوحِ مضطرب، وہ دلِ بے قرار دے

وہ موت جس کو پا کے ملے عمرِ جاوداں
ممکن ہو یہ اگر تو مجھے بار بار دے
پژمردہ ہو چکا ہے بہت اب رُخِ حیات
محمودؔ اُس کو خونِ جگر سے نکھار دے

کس وقت مرے لب پہ ترا نام نہیں ہے
اب اس کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے
مت پوچھ مری تیرگیِ شوق کا عالم
وہ مطلعِ اُمید سرِ بام نہیں ہے

کوتاہیِ تدبیر بھی ذلّت کا سبب ہے
تقدیر فقط موردِ الزام نہیں ہے

اب اس سے نپٹنے کا ارادہ ہے مُصمّم
یا ئیں نہیں یا گردشِ ایام نہیں ہے

اندازۂ تاریکیٔ شب خود ہی کریں آپ
اک شمع بھی محفل میں سرِ شام نہیں ہے

محمودؔ ہے کیا وجہِ پریشانیٔ خاطر
ایسی تو کوئی یورشِ آلام نہیں ہے

یہ فخر مرے واسطے کچھ کم تو نہیں ہے
کمتر ہی سہی، عشق میں سر خم تو نہیں ہے

دھوئی ہے سیاہی مرے اعمال کی جس نے
یارب وہ مرا دیدۂ پُرنم تو نہیں ہے

ہم پر بھی اگر چشمِ کرم ہو تو عجب کیا
سُنتے ہیں مزاج آپ کا برہم تو نہیں ہے

کیا کہیئے کہ جب دیکھتے ہیں آنکھ مری نم
کہتے ہیں کہ کیوں تجھ کو کوئی غم تو نہیں ہے

کچھ اَور بھی ہو گا غمِ دوراں کا مداوا
اے دوست فقط گریۂ پیہم تو نہیں ہے

محمودؔ ہیں کیوں اہلِ جہاں درپئے آزار
کہتے ہیں غمِ زیست جسے کم تو نہیں ہے

ترساں تھا جو دل جُرأتِ دیدار سے پہلے
اب محوِ سخن ہے لبِ گفتار سے پہلے
دل ٹوٹ چکا تھا ترے اِنکار سے پہلے
بیزار تھا خود میں بھی، دلِ زار سے پہلے

کیوں پڑ گئے یوں سوچ میں اِقرار سے پہلے
سوچا تھا کبھی آپ نے اِنکار سے پہلے

مرنا ہی اگر عشق میں ہے میرا مقدّر
ٹکراؤں گا سر آپ کی دیوار سے پہلے

سمجھیں گے غمِ عشق کو کیا شیخ و برہمن
وہ کھیل تو لیں سبحہ و زُنّار سے پہلے

ہو جائے گی ہم پر بھی کبھی چشمِ عنایت
فرصت تو ملے آپ کو اغیار سے پہلے

ہے جن کو ہم آغوشیٔ جاناں کی تمنّا
ملتے ہیں گلے وہ رسَن و دار سے پہلے

آتی ہیں کہاں سے مہ و خورشید میں کرنیں
یہ راز تھا پنہاں ترے دیدار سے پہلے

تسکینِ دل و جاں تھی بہر حال میسّر
محمودؔ غمِ اندک و بسیار سے پہلے

وُہ اپنا دامنِ دل داغدار کرتے ہیں
جو لوگ فکرِ غمِ رُوزگار کرتے ہیں

مہ و نجوم سے آگے ہیں منزلیں اُن کی
جو لوگ راہِ جنوں اختیار کرتے ہیں

نوازشات تم اپنی ذرا شمار کرو
تمہاری نذر دل داغدار کرتے ہیں

بیاں ہو قصۂ باغِ ارم بھی اے زاہد
ہم آج تذکرۂ حسنِ یار کرتے ہیں

تمہارے گیسو و عارض کو دیکھ کر ہم لوگ
علاجِ گردشِ لیل و نہار کرتے ہیں

ہزار تم کرو طرزِ ستم کوئی ایجاد
ہم اپنا عہدِ وفا استوار کرتے ہیں

خدا گواہ کہ ہوتے ہیں ہم سے دیوانے
وہ جن پہ سرِّ نہاں آشکار کرتے ہیں

اِس حقیقت سے کبھی انکار ہو سکتا نہیں
بندۂ مومن ذلیل و خوار ہو سکتا نہیں
یہ نہیں ممکن کہ وہ اک مردِ مومن کی ہو آنکھ
چاک جس سے پردۂ اسرار ہو سکتا نہیں

جس کے دم سے قافلے والے نہ ہوں منزل شناس
وہ یقیناً قافلہ سالار ہو سکتا نہیں

خیمہ زن جب تک نہ ہو آکر وہاں ابرِ بہار
دشت کہتے ہیں جسے گلزار ہو سکتا نہیں

جس کے چہرہ پر نہ ہو سایہ فگن عکسِ رسولؐ
دوستو وہ مطلعِ انوار ہو سکتا نہیں

کاش وہ دیکھیں رسولؐ اللہ کا حُسنِ سلوک
جو یہ کہتے ہیں عدو سے پیار ہو سکتا نہیں

ہو نہ گر اس میں فروزاں مشعلِ یادِ رسولؐ
خانۂ دِل مہبطِ انوار ہو سکتا نہیں

آہ اب احوالِ دل سرکارِ یثربؐ سے بیاں
ہو تو سکتا ہے سرِ دربار ہو سکتا نہیں

بندشیں آقا یہاں تک ہیں کہ اب تیرے حضورؐ
پیش یہ گلدستۂ اشعار ہو سکتا نہیں

اپنے خالق پر جسے محمودؔ ہو کامل یقیں
وہ کبھی منت کشِ اغیار ہو سکتا نہیں

جانِ بیتاب ہر اک غم کا مداوا چاہے
اور دل ہے کہ شب و روز تڑپنا چاہے
خوگرِ لذّتِ آزار ہیں، بے شک دُنیا
خوب جی بھر کے ستائے ہمیں جتنا چاہے

اب کسی طرح نظر میں نہیں جچتا کوئی
اب مری آنکھ فقط تیرا سراپا چاہے

اہلِ دُنیا کی نظر گنبدِ افلاک پہ ہے
اور جبیں میری ترا نقشِ کفِ پا چاہے

ذرّہ ذرّہ میں عیاں ہو کے بھی پوشیدہ ہے
جلوۂ دوست کہ جو دیدۂ بینا چاہے

غیر ممکن ہے کہ ہو حُسنِ بُتاں سے مرعُوب
چشمِ عاشق کہ جو محبُوب بھی تم سا چاہے

چارہ گر خاک کریں آبلہ پائی کا علاج
دلِ وحشی ہے کہ پھر وسعتِ صحرا چاہے

جاں کہ پھر ڈھونڈے ہے ہر لحظہ نوازش اُس کی
دل کہ پھر پیشِ نظر وہ رُخِ زیبا چاہے

جس کو دیکھو ہے وُہی مدحِ بتاں میں مصروف
اور غزل میری کوئی رنگ اچھوتا چاہے

دیدۂ تر سے کوئی سیلِ رواں لیکے چلو

ان سے ملنا ہے تو پھر ہدیۂ جاں لے کے چلو

بارشِ سنگِ حوادث ہی سہی ہونے دو

جو نہ شکوہ سے ملوّث ہو زباں لے کے چلو

دوستو تم کو محمّد کی غلامی کی قسم

تم کو چلنا ہے تو پیغامِ اماں لے کے چلو

نالۂ نیم شب و آہِ سحر گاہی سے
اُن تک اک سلسلۂ شور و فغاں لے کے چلو

ہم براہین کے قائل ہیں ہمیں جیتیں گے
آزمانا ہے تو شمشیر و سناں لے کے چلو

ہم تو برسائیں گے گُل ہائے محبت تم پر
تُم جو چاہو تو کوئی سنگِ گراں لے کے چلو

یہ بھی ممکن ہے کہ آئینہ مکدّر ہو جائے
پیشِ جاناں نفسِ شیشہ گراں لے کے چلو

خدا نے جن کو دیا ہے قلندرانہ مزاج
اُنہیں خرید سکے گا نہ کوئی تخت نہ تاج
جبیں پہ جس کی نہیں کوئی داغِ محکومی
وہی بشر ہے حقیقت میں صاحبِ معراج
تجھے بچائے خُدا ضعفِ بے یقینی سے
کہ کر سکا نہ ارسطو بھی اس مرض کا علاج

مومن ہے تو تسکینِ دل و جاں ہے میسّر
کافر ہے تو آزردہ و پامال رہے گا
مومن ہے تو سرشارِ حیاتِ ابدی ہے
کافر ہے تو پابندِ مہ و سال رہے گا

جس جگہ در پئے آزار نہیں ہے کوئی
کالعدم ہو گی جہاں یورشِ غم کہتے ہیں
ضو فگن ہوں گے جہاں پھول سے رُخسار ترے
اُسی گوشہ کو تو گلزارِ ارم کہتے ہیں

یہ نہیں مُشکل رسائی ہو درِ محبوب تک
بال و پَر میں قوّتِ پرواز ہونی چاہیئے
رحمتِ یزداں تو آجاتی ہے سُن کر جوش میں
درد میں ڈُوبی ہُوئی آواز ہونی چاہیئے

تیرا غم ہو تو لُطف آتا ہے
آنکھ نم ہو تو لُطف آتا ہے
اب مجھے قہقہے پسند نہیں
شور کم ہو تو لُطف آتا ہے

جو دکھایا ہماری قسمت نے
ہم نے سب کچھُ جناب دیکھ لیا
تم کو اچھّا سمجھ لیا جس نے
ہم نے اُس کو خراب دیکھ لیا

ہو جاتے ہیں جو خاکِ دہی پاتے ہیں اُس کو
ملتا نہیں وُہ یار کمالاتِ ہُنر سے
اللہ کی رحمت ہے کہ موجود ہیں اب بھی
تقدیر بدل دیتے ہیں جو لوگ نظر سے

مَیں نے کیا کچھ نہیں سُنا لیکن
دِل مرا مُطمئن ہے، لب خاموش
لوگ جو چاہیں مجھ کو ٹھہرائیں
مَیں ہوں شاہِ عرب کا حلقہ بگوش

ہے تعجب کہ لوگ رو رو کر
داستانِ الم سُناتے ہیں
مَیں سمجھتا ہوں شدّتِ غم سے
اشک آنکھوں میں سُوکھ جاتے ہیں

عشق الفاظ کا محتاج نہیں
عاشقی رُخ سے عیاں ہوتی ہے
عشق کا ربط ہے خاموشی سے
اور ہوس چرب زباں ہوتی ہے

صحنِ چمن ہے جشنِ بہاراں ہے اِن دنوں
حسرت ہے کوئی دل میں نہ ارماں ہے اِن دنوں
اہلِ جنوں کا ہے یہ کرشمہ بہ فیضِ عشق
دستِ جنوں میں دامنِ یزداں ہے ان دنوں

ایک عرصہ تک نیاز و نازِ حُسن و عشق میں
مدّتوں اک راہ و رسمِ غائبانہ یاد ہے
جس جگہ میری جبینِ شوق جھک کر رہ گئی
وہ درِ دولت ترا وہ آستانہ یاد ہے

غم کے تاریک و تار لمحوں میں
کون پرسانِ حال ہوتا ہے
ایک روشن چراغ کی مانند
صرف تیرا خیال ہوتا ہے

خالقِ ارض و سما سے مانگو
مالکِ روزِ جزا سے مانگو
کیوں درِ غیر پہ ہو سر بسجود
مانگنا ہے تو خدا سے مانگو

تم ہو جس زندگی کے گرویدہ
وہ علامت ہے ناتوانی کی
چار دن عیش کر کے مر جانا
یہ نہیں ریت زندگانی کی

ایک ہی دُھن سوار ہے سر پر
دل میں ہے ایک ہی لگن اے دوست
اب فقط ایک ہی تمنّا ہے
تو بنے رُوح میں بدن اے دوست

عقل و دانش پہ شب و روز جو اِتراتے ہیں
انہیں کہہ دو کہ یہ انعامِ خداوندی ہے
اہلِ دل سے یہ کئی بار سُنا ہے مَیں نے
خاکساری جسے کہتے ہیں خرد مندی ہے

نہیں ہے آیۂ لَا تَقْنَطُوا اُمید افزا!
یہ طرزِ فکر کسی طرح مومنانہ نہیں
کتابِ حق کا ہر اک لفظ اے مرے ہمدم
ہے ایک ٹھوس حقیقت فقط فسانہ نہیں

اِس طرح مئے شوق سے مخمور رہے ہم
آلام و مصائب سے بہت دُور رہے ہم

کیا کیا نہ ستایا ہمیں اربابِ ہوس نے
وابستہ ترے در سے بدستور رہے ہم

عُشّاق کے دم ہی سے تو رونق ہے سردار
شبلیؒ کی طرح صورتِ منصورؒ رہے ہم

تو ہے کہ ستم کر کے بھی ناخوش ہی رہا ہے
ہم ہیں کہ ستم سہہ کے بھی مسرور رہے ہم

اس دورِ کثافت میں بہ فیضانِ الٰہی
آئینہ صفت صورتِ بلّور رہے ہم

پھر تو ہی رہے گی نہ تری تیرگیٔ یاس
کچھ دیر اگر اے شبِ دیجور رہے ہم

دنیا ہمیں کہتی ہی رہی مجرمِ الفت
محمودؔ اسی نام سے مشہور رہے ہم

بہ فیضِ عشق وفورِ الم سے کیا ہوگا
دُعائیں دیں گے تمہیں اور ہم سے کیا ہوگا

ہمارا دل تو ہے مانوس لذّتِ غم سے
ستمگروں سے یہ پوچھو ستم سے کیا ہوگا

ہر ایک اشک سمیٹے ہوئے ہے اک دریا
یہ کیا کہا کہ مری چشمِ نم سے کیا ہوگا

خدا دکھائے گا زندہ نشاں زمانے کو
علاجِ گردشِ ایّام ہم سے کیا ہو گا

بہل چکا ہے جو عشقِ رسولؐ سے وُہ دِل
اُداس تیرگیٔ شامِ غم سے کیا ہو گا

نہ دل میں سوزِ محبّت نہ سر میں جوشِ جنوں
جنابِ شیخ! طوافِ حرم سے کیا ہو گا

گدائے کوچۂ یثرب ہوں مَیں مجھے محمودؔ
نمودِ سطوتِ دارا و جم سے کیا ہو گا

آلامِ روزگار میں شدّت بلا کی ہے

مَیں پھر بھی مُطمئن ہُوں یہ رحمت خُدا کی ہے

مَیں خانماں خراب کہاں اُن کا در کہاں

کُچھ کُچھ رسائی ہے تو وُہ آہِ رسا کی ہے

اُن کی طلب ہے آج بھی ہمّت فزائے شوق
ورنہ ہر اک قدم پہ تھکن انتہا کی ہے

جس کی تپش سے عرش کی منزل بھی ہے تپاں
یہ آتشیں نوا کسی بے دست و پا کی ہے

کیوں چاہتے ہیں اس کو دبانا زمیں کے لوگ
شاید کہ یہ صدا کسی عرش آشنا کی ہے

تیرہ شبی میں راہ ہے پُر پیچ و خم تو کیا
ہر گام روشنی بھی ترے نقشِ پا کی ہے

شکوہ ہم اُن کے دستِ کرم سے کریں تو کیوں
تقصیر نارسائیِ دستِ دُعا کی ہے

دستک تو آ کے دی ہے کسی نے سرِ نصیب
وہ آ گئے کہ یہ کوئی شوخی صبا کی ہے

شاید وہ مل ہی جائیں وہ شاید نہ مل سکیں
ہر گام کیفیت یہی بیم و رجا کی ہے

مانا کہ اُس نے ہم کو بُرا بھی نہیں کہا
لیکن یہ خامشی بھی تو صورت سزا کی ہے

بے خود درونِ وادیِ ایمن ہُوا کلیم
کیا طُرفہ داستاں یہ محبّت سرا کی ہے

میں جادۂ فنا پہ رہا عُمر بھر رواں
منزل کو آ لیا تو یہ منزل بقا کی ہے

مَیں کیا مرا مقام ہے کیا اور کلام کیا
جو بات بھی ہے حُسن کے حسنِ عطا کی ہے

موجۂ ابرِ رواں ھیں ہم لوگ
جانے کیوں سب پہ گراں ہیں ہم لوگ
ہو بہو مہر و وفا کی تصویر
ہمہ تن آہ و فغاں ہیں ہم لوگ

نرم و نازک کبھی شبنم کی طرح
اور کبھی شعلہ بجاں ہیں ہم لوگ

یہ نہیں اہلِ خرد کو معلوم
واقفِ سرِّ نہاں ہیں ہم لوگ

لطفِ آوارگیٔ شوق نہ پوچھ
ذرّۂ ریگ رواں ہیں ہم لوگ

رونقِ دار ہے قائم ہم سے
نازِ آشفتہ سراں ہیں ہم لوگ

لاکھ بے یار و مددگار سہی
صاحبِ شانِ شہاں ہیں ہم لوگ
خرقۂ فقر ہماری زینت
رونقِ بزمِ جہاں ہیں ہم لوگ
ہم سے کیوں آئینہ دل پہ ہو میل
نفسِ شیشہ گراں ہیں ہم لوگ
آگ میں پڑ کے براہیم صفت
واردِ کوئے جناں ہیں ہم لوگ

اب تو مائل بہ کرم ہو تم بھی
اب نہ پُوچھو کہ کہاں ہیں ہم لوگ
ہے وُہی مالک و مُختارِ جہاں
جس کی جانب نگراں ہیں ہم لوگ

اَور بھی کچھ ہیں محفلیں محفلِ یار کے سِوا

ایک بہار اَور ہے عہدِ بہار کے سِوا

جائے اماں نہ مل سکی سارے جہان میں ہمیں

دامنِ یار سے الگ، دامنِ یار کے سِوا

عزمِ بلند ہی سے ہیں ماہ و نجوم خاکِ پا

ورنہ بشر ہے چیز کیا مُشتِ غُبار کے سِوا

لاکھ ہو زندگی حسیں، کوئی نہیں ہے بالیقیں
وجہِ سکونِ جان و دل اب غمِ یار کے سوا
باغِ بہشت ہے کہیں! باغِ بہشت ہے کوئی!
تیرے دیار سے الگ، تیرے دیار کے سوا
عاشقِ جاں نثار نے کل سرِ دار یہ کہا
ہیچ ہیں سب بلندیاں رفعتِ دار کے سوا
تیرے شعور کے بغیر تیرے جمال کے بغیر
کچھ بھی نہیں ہے زندگی اک شبِ تار کے سوا

زندگی بے خروش ہے جذبۂ عشق کے بغیر
سارا جہان بے سرور اک ترے پیار کے سوا

سینہ کے داغ ہیں کہ ہیں یادوں کے کارواں رواں
اب میں اُنہیں کہوں تو کیا جشنِ بہار کے سوا

آپ پہ جب نظر پڑی یہ بھی حسین ہو گئی
ورنہ ہے میری آنکھ کیا گرد و غُبار کے سوا

تجھ سے میں شرمسار ہوں نذر کروں تو کیا کروں
ہے مرے پاس اور کیا اک دلِ زار کے سوا

جس میں ہمہ دانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
وہ بات کہانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
تو غور سے دیکھے جو مرے داغِ جگر کو
اِک تیری نشانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

آنسو سرِ مژگاں ہو تو اِک گوہرِ نایاب
بہہ جائے تو پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

مت ہم کو ڈرا موت سے اے واعظِ ناداں
یہ نقلِ مکانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

اوصاف کئی ہوں گے مگر شیخِ حرم میں
اب چرب زبانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

وہ آنکھ کہ تھی مشعلِ پُر نور اب اس میں
اشکوں کی روانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
وہ دِل کہ جو اِک گنج گرانمایہ تھا اس میں
اب دردِ نہانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
محمودؔ وہ یہ کہتے ہیں سُن کر مرے اشعار
آشفتہ بیانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

خوگردۂ دامِ محکومی تسخیر کی باتیں کرتے ہیں

جو تیرہ شبی کے عادی ہیں تنویر کی باتیں کرتے ہیں

میں دیکھ رہا ہوں اے ہمدم ہے شاہدِ رعنا جلوہ فگن

یہ لوگ بھی کتنے کم بیں ہیں تصویر کی باتیں کرتے ہیں

مجھ کو تو یقینِ کامل ہے پہنچیں گے نہ اپنی منزل تک
تدبیر سے رشتہ توڑ کے جو تقدیر کی باتیں کرتے ہیں

جو لوگ کہ ہیں شمشیر بکف اُن کو ہے مکمّل آزادی
اور ہم ایسے مسکینوں سے زنجیر کی باتیں کرتے ہیں

جو سرِ نہاں سے ہیں واقف وہ خاک نشیں ہیں مُہر بلب
اور علم و ہُنر سے بیگانے اکسیر کی باتیں کرتے ہیں

محمودؔ مجھے آتی ہے ہنسی بے ساختہ ایسے لوگوں پر
تخریب پہ جو آمادہ ہیں تعمیر کی باتیں کرتے ہیں

دلِ حزیں کی غمِ محترم کی بات کرو
جو ہو سکے تو کبھی چشمِ نم کی بات کرو
یہاں نشاط کا ہرگز گزر نہیں ہوتا
دیارِ عشق ہے رنج و الم کی بات کرو
خدا کے نام سے بہکا رہے ہو لوگوں کو
جو قلب میں ہے نہاں اُس صنم کی بات کرو

عمل کا نام نہ لو مشکلات ہیں اِس میں
یہی ہے سہل کہ دیر و حرم کی بات کرو
کشاکشِ غمِ دَوراں کا سلسلہ کب تک
کبھی تو ہم سے بھی لُطف و کرم کی بات کرو
اسی زباں کو سمجھتی ہے آج کل دُنیا
ہر اک مقام پہ دام و دِرم کی بات کرو
ملے گی منزلِ مقصود خود بخود آ کر
مِرے حبیبؐ کے نقشِ قدم کی بات کرو

اُن کے کوُچہ میں نہ کیوں جا کے صدا دی جائے
مجھ کو ناکردہ گُناہوں کی سزا دی جائے

اب یہ طے دے کے یہی تیرگیٔ غم کا علاج
غم کی صُورت کو تبسّم کی ضیا دی جائے

عُمر بھر تا کہ نہ ہو میری نظر سے اوجھل

لوحِ دل پر تری تصویر بنا دی جائے

جس نشیمن میں میسّر نہ ہو پل بھر آرام

اُس نشیمن کو نہ کیوں آگ لگا دی جائے

پہلے اک آتشِ اُلفت ہو فروزاں دل میں

پھر اُسے آپ کے دامن کی ہَوا دی جائے

پھر سکھائیں دلِ مُنتظر کو وفا کے آداب
پھر اُسے دعوتِ تسلیم و رضا دی جائے

دیکھ لوں مَیں بھی ذرا اہلِ ہوس کا انجام
اِتنی مہلت تو مجھے میرے خُدا دی جائے

میرے آقاؐ نے یہی درس دیا ہے مجھ کو
گالیاں کھا کے بھی دُشمن کو دُعا دی جائے

جان دینے پر جو آمادہ نہیں
وُہ یقیناً تیرا دلدادہ نہیں

کیوں نہ اہلِ کارواں ہوں نااُمید
سامنے منزل مگر جادہ نہیں

وہ نہ پائے گا کبھی تسکینِ جاں
آپ کے دَر پر جو اُفتادہ نہیں

ایسے میخانے بہت آباد ھیں
جن میں ساقی ہے مگر بادہ نہیں
اُن کی محفل میں سبھی موجود ھیں
ہاں مگر اک شُ دُور اُفتادہ نہیں
سادگی واعظ کی دھوکا دے گئی
ہے مگر اتنا بھی وُہ سادہ نہیں
اُن سے اے محمودؔ کیا کہیئے جو لوگ
بات سُننے پر بھی آمادہ نہیں

صحرا کی ہے تلاش نہ گُلزار چاہیئے
ہم عاشقوں کو کوچۂ دلدار چاہیئے
سمجھوں گا میں کہ دولتِ کونین مل گئی
پروردگار مجھ کو غمِ یار چاہیئے

درمانِ غم نہیں نہ سہی موت ہی سہی
کچھ تو علاجِ خاطرِ بیمار چاہیئے
آ کر ملے گی منزلِ مقصود خود بخود
اے رہ نورد برق کی رفتار چاہیئے
وہ جاں کہ جو ہو سوزِ محبت سے بہرہ ور
وہ دل کہ جو ہو مہبطِ انوار چاہیئے
ہم تجھ کو چاہتے ہیں مگر شیخ و برہمن
کہتے ہیں اُن کو سُبحہ و زُنّار چاہیئے

سکونِ دل کی دُنیا رہ گئی زیر و زبر ہو کر
الٰہی کیا ستم ڈھایا کسی نے جلوہ گر ہو کر

یہ کس کے عارض و گیسو کے دیوانے نے دم توڑا
بہت روئی شبِ فرقت ہم آغوشِ سحر ہو کر

میں آشفتہ سرِ الفت ہوں سر تک بار ہے مجھ پر
خدا معلوم کیا پائے گی دُنیا میرے سر ہو کر

مرے اللہ چمکا دے ستارہ میری قسمت کا
کہ یہ مشکل نہیں کچھ مالکِ شمس و قمر ہو کر

ترے حسنِ جہاں افروز کے پرتو نظر آئے
کہ جو چمکے فلک پر انجم و شمس و قمر ہو کر

اُدھر تیرِ نگاہِ ناز نے رُخ اِس طرف پھیرا
اِدھر اک طائرِ دل رہ گیا بے بال و پَر ہو کر

وہ طوفانوں سے ٹکراتا ہے مَوجوں سے اُلجھتا ہے
کہ جو قطرہ سمندر سے نکلتا ہے گُہر ہو کر

اگر طولِ شبِ فُرقت بھی کچھ کم ہو نہیں سکتا
تو رہ جائے فسانہ زندگی کا مختصر ہو کر

کہو یہ اُن سے جو دیتے ہیں اشتہارِ الم
کہ ہے سکوت سے آراستہ وقارِ الم
خوشی ہو یا کہ الم عارضی ہیں یہ دونوں
ہے کچھ خوشی کا بھروسہ نہ اعتبارِ الم

دلِ حزیں پہ گزرتے ہیں رات دن صدمے
دلِ حزیں ہے کہ بس ایک رہگزارِ الم
کھلیں بھی پھول تو حیرت میں غرق رہتے ہیں
کس احتیاط سے جاری ہے کاروبارِ الم
وہ اور ہوں گے غرض ہے نشاط سے جن کو
الم کو ہم سے محبّت ہے ہم نثارِ الم
اگرچہ حسنِ مسرّت کی چھب بھی ہے دلکش
مگر بہارِ الم پھر بھی ہے بہارِ الم
خدا کے سامنے چمکے گا صورتِ خورشید
وہ دل جو عشق میں ہے آج داغدارِ الم

کبھی جو وادیٔ گل تھا وہ ہے خزاں کا وطن
کبھی جو دل تھا وہ ہے آج کل دیارِ الم
خوشی کی ایک کرن بھی نظر نہیں آتی
محیط چرخِ بریں تک ہے اک غبارِ الم
ہمارے دل میں ہیں محفوظ جو تری یادیں
جلا کے خاک نہ کردے اُنہیں شرارِ الم
مرے الم کا کسی دُوسرے کو علم نہیں
بس ایک دل ہے کہ تنہا ہے رازدارِ الم
سفینۂ دلِ ناچیز کا خُدا حافظ
کہ پھر تڑپ کے اُٹھی موجِ بے قرارِ الم

جہانِ عشق میں صبر و قرار کیا معنی
محالِ ضبط ہے کیا تابِ انتظار کہاں
تمہاری دید ہی اب ہے قرارِ دیدۂ و دل
نہ ہو اگر یہ میسّر تو پھر قرار کہاں
بچائیے گا نہ دامن ہمارے اشکوں سے
اب آ گئے ہیں تو جائیں یہ غمگسار کہاں
کہیں ہجومِ مصائب میں کھو گیا ہو گا
دلِ حزیں کو ہے پہلو میں اب قرار کہاں

آپ کی تسکین کو تسکین کی حاجت رہی
آپ کی تسکین سے دل اور بھی مضطر ہُوا

اللہ اللہ حُسنِ عالم تاب بھی کیا چیز ہے
ہم سراسر کھو گئے جب یار جلوہ گر ہُوا

ہے تفاوت کس قدر محمودؔ اور محمود میں
بُت شکن تھا ایک لیکن دُوسرا بُت گر ہُوا

لیفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر محمود الحسن

ڈاکٹر محمود الحسن کی شاعری سے اُبھرنے والی وادیٔ ایمن کی آواز نے جہاں شاعر کے فن کو حسنِ محبوب سے آراستہ کیا تھا وہاں اُس کے فکر کی آتشِ نوبہار نے اس کے دل کو بھی گداختہ کر دیا تھا مگر سرودِ جاوداں تک آتے آتے فن کی یہ آراستگی اور دل کی یہ گداختگی اس طرح جسم کے رگ و ریشے میں اترتی ہوئی روح تک سرایت کرتی چلی گئی ہے کہ عابد و معبود اور شاہد و مشہود کے درمیانی تمام پردے ایک ایک کر کے اُٹھتے چلے گئے ہیں۔ ڈاکٹر محمود الحسن سرِ وادیٔ سینا جس آگ کی تلاش میں نکلے تھے وہ اُن کی شاعری میں اعجازِ مسیحائی بن کر روشنی کے ایک منور استعارے کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ یہ استعارہ اپنی ہتھیلی پر پیغامِ امن و اماں کے ساتھ ساتھ ہدیۂ جسم و جاں بھی لیے لیے پھرتا ہے کہ اس کے نزدیک ازل اور ابد کے اسرارِ نہاں سے بہرہ مند ہونے اور انہیں منکشف کرنے کا راستہ رونقِ دار سے نشاطِ روح حاصل کر لینے کے بعد ہی کوچۂ دلدار تک لے کر جاتا ہے مگر ڈاکٹر محمود الحسن کی شاعری میں اس کوچۂ دلدار کی طلب بھی انوکھی ہے اور جستجو بھی نرالی ہے عشق کا یہ گوہرِ نایاب اس وقت ہاتھ آتا ہے جب عشقِ مجازی اہلِ ہوس کی حسن پرستی کے جال اور دامِ درم کے وبال سے پہلو تہی کرتا ہوا عشقِ حبیب اور عشقِ حقیقی کے نکتۂ اتصال کے منبعِ نور سے سیراب و شاداب ہوتا ہوا اس دورِ کثافت میں بھی روح کی وہ لطافت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو عشق کو حسن اور یقیں کو تو سے ہم آہنگ و ہم رنگ کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن کے اندازِ تغزل کی انفرادیت یہی ہے کہ انہوں نے روشنی کے اس استعارے کی مجازی لے کو حجازی آہنگ سے سرمست و سرشار کر کے ایک ایسا ہی پیکرِ تخلیق کیا ہے جس کے خدوخال اور تراش خراش میں غزل کے کلاسیکی ذائقے اور جدید غزل کے نعتیہ اور حمدیہ امکانات اور انکشافات کے دروازے ایک جاں نواز ہم آہنگی اور بیکراں وارفتگی کے عالم میں آپ ہی آپ کھلتے چلے گئے ہیں۔ سرودِ جاوداں کی یہ حلاوت اور مٹھاس قلندرانہ بے ساختگی اور شائستگی عاشقانہ سپردگی اور جاں نثاری کسی شاعر کو ایک ایسے روشن مرحلے پر ہی نصیب ہوتی ہے جب وہ زندگی کا بارِ سفر اٹھائے ہوئے راستوں کے پیچ و خم سے گزرتا ہوا بالآخر قیدِ مقام سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن کے اندر چھپا ہوا فنکار آتشِ نوبہار میں سلگتے رہنے کے بعد اب سرودِ جاوداں میں قیدِ مقام سے بھی گزر کر اسی مقامِ محمود کی خبر لا رہا ہے جس کے بارے میں اس نے خود کہا ہے ؎

میں کیا مرا مقام ہے کیا اور کلام کیا
جو بات بھی ہے حسن کے حسنِ عطا کی ہے

جمیل ملک — ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۴ء